ز خاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست

ایک مُطالعہ

ڈاکٹر تسکینہ فاضل

"پیامِ مشرق" علامہ اقبالؔ نے جرمنی کے مشہور شاعر اور حکیم گوئٹے کے مغربی دیوان کے جواب میں لکھی ہے گوئٹے کے سوانح نگار ہائنا نے لکھا ہے کہ یہ وہ گلدستۂ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر دونوں میں پیرِ مغرب شاعر المانوی کی شاعری کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس دوران علّامہ نے گوئٹے کے ساتھ اپنی فکری مماثلت کا ذکر بھی بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ اقبالؔ نے مغربی تہذیب کا مشاہدہ خود اپنی آنکھوں سے بہت قریب سے کیا تھا۔ اس کے اسباب پر غور وفکر کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ جس تہذیب کی بُنیاد مادّیت اور الحاد پر ہو، اُس سے خطرناک بلکہ ہولناک نتائج کا برآمد ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے مشرق اور مغرب دونوں کو عشق کا پیغام دیا۔ "پیامِ مشرق" پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ حصۂ سوم "مئے باقی" میں ۴۵ غزلیں درج ہیں۔

یہ غزلیں اقبال کے ابتدائی دور کی غزلوں سے مختلف ہیں، اقبالؔ کے گہرے مطالعے، مُشاہدے اور تجربے کی ارتقاء پذیری کے تحت ان غزلوں میں اقبال کے فکر وفن اور تہہ داری کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ جہاں تک ان غزلیات کی زبان اور اندازِ بیان کا تعلق ہے ان میں فارسی کے ممتاز شعراء حافظؔ شیرازی اور نظیریؔ کا رنگ جھلکتا ہے تاہم اس حقیقت کو نظرانداز ہرگز نہ کیا جائے کہ ان میں اقبال کی مخصوص انفرادیت ہر جگہ نمایاں طور پر غالب ہے کیونکہ ان میں جابجا اقبال کے مخصوص فلسفۂ حیات کی ترجمانی کی گئی ہے ؎

ز خاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست

"پیامِ مشرق" کے حصۂ سوم "مئے باقی" کی ۱۷ ویں غزل ہے۔ مذکورہ غزل میں اقبال کے پیغام کے مختلف

اجزاء عرفانِ نفس یا تعین ذات، تحفظ خودی، عشق حقیقی، معرکۂ حق و باطل، عقل پر عشق کی فضیلت اور موخرالذکر کی نصرت و فتح، اسلام کے زرّین اصولوں کی تفہیم اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تلقین۔ اپنے نفس میں استغراق پیدا کرنے اور معرفت نفس حاصل کرنے، نفسِ امّارہ پر قابو پانے اور زندگی میں خطر طلبی یا خطر پسندی کی تلقین کی گئی ہے۔

اقبالؔ نے اپنے پیغام کے ان اجزاء کی اپنی تصانیف میں مختلف مقامات پر تلقین کی ہے۔ ان اجزاء کی رہ رہ کر تلقین کرنے کا یہ مقصد ہے کہ قاری کسی نہ کسی طریقہ سے ان پر عمل پیرا ہو۔ اقبال کی نثری اور شعری تصانیف کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس بات کی شکایت رہی ہے کہ ان کی قوم کا اُن کے پیغام پر عمل پیرا ہونا تو درکنار وہ اسے سننا بھی گوارا نہیں کرتی۔ تاہم وہ مُستقبل سے قطعی طور پر مایوس نہیں۔ دس اشعار پر مشتمل مذکورہ غزل "پیام مشرق" کے علاوہ جاوید نامہ میں بھی نوائے حلّاج کے عنوان سے درج ہے۔ جاوید نامہ میں اس غزل کو منتخب کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ غزل حسین بن منصور حلّاج کے مسلک کے عین مطابق ہے۔ حسین بن منصور حلّاج کے مطابق خدا خارج میں نہیں بلکہ انسان کے باطن میں موجود ہے۔ اس کے اندر ہے اور اگر انسان اُسے تلاش کرنے کی کوشش کرے تو اُسے چاہیئے کہ دُنیا کی سیر کرنے کی بجائے وہ اپنے عالمِ دل کی سیر کرے۔ بقول اقبال ؎

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی — کہ او پیداست تو زیرِ نقابی
تلاش او کنی جُز خود نہ بینی — تلاش خود کنی جُز او نیابی

یا ؎

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

زیرِ بحث غزل کے پہلے ہی شعر کے مطالعے سے ہمارا ذہن "پیام مشرق" کی خوبصورت اور دلکش نظم "تنہائی" کے مرکزی خیال کی طرف منعطف ہوتا ہے جس میں اقبال فطرت کے تین اہم اور بڑے

مظاہر سمندر، پہاڑ اور چاند سے استفسار کرتا ہے کہ کیا وہ بھی میری طرح کسی کے عشق میں مبتلا ہیں لیکن
یہ تینوں مظاہر یکے بعد دیگرے اس گوہر نایاب سے اپنی محرومی یا تہی دامنی کا خاموش اظہار کرتے ہیں۔
اس حقیقت کو خواجہ حافظ نے اپنے ایک مشہور شعر میں بڑی فن کاری کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شعر ملاحظہ کیجیے۔

آسمان بار امانت نتوانست کشید　　　قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

یعنی کائنات میں صرف انسان ہی ایک ایسی ہستی ہے جو عشق حقیقی یا بار امانت کو اٹھانے پر آمادہ
ہوئی۔ زیر بحث غزل کے پہلے شعر میں بتایا گیا ہے کہ انسان بظاہر خاک کا پتلا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس
خاک کے پتلے کو جذبۂ عشق سے سرفراز کر کے اسے دنیا کی تمام تر مخلوقات پر شرف بخشا ہے۔ انسان کو چاہیئے
کہ وہ اپنی خودی کی تربیت کر کے اسے مستحکم بنا دے۔ یعنی اپنے اندر کی اس آگ کو ہوا دے کر شعلوں میں تبدیل
کر دے لیکن انسان اس مشکل کام کو تن تنہا کیسے انجام دے۔ اس کے لیے مرشد کی صحبت ناگزیر ہے جو سالک
کے اندر چھپی ہوئی عشق کی اس آگ کو ہوا دے اور اسے شعلوں میں تبدیل کرنے میں اس کی معاونت کرے
اسی لیے انسان اگر تجلّی کا آرزو مند ہے تو اُسے اپنی تجلّی کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ سب کچھ اس کے
اندر ہے۔ دوسرے کی تجلّی تقاضے کے لائق نہیں۔ اقبال کے نزدیک من کی دُنیا میں مستغرق ہو کر ہی
سُراغ زندگی پایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ من کی دُنیا، من کی دُنیا سوز و مستی جذب و شوق ؎
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں۔ بال جبریل کی اس غزل میں من کی دُنیا کا تن کی دُنیا کے
ساتھ موازنہ کر کے اوّل الذکر کو اصل مرکز قرار دے کر اسے فضیلت عطا کی گئی ہے۔ اگر اس تشریح کو دوسرے
لفظوں میں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ سے تعبیر کیا جائے تو غالباً غلط نہ ہوگا۔ اپنی
معرفت حاصل کرنے والے ہی خدا کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔ دوسرے شعر کا جہاں تک تعلق ہے، اقبال کے
فلسفۂ عشق کے مطابق عشق اصل حیات ہے۔ عشق اور مُسلم لازم و ملزوم ہیں۔ حتیٰ کہ ؎ مُسلم از عاشق نباشد
کافراست۔ اقبال عشق حقیقی کے قائل ہیں۔ اس کا اندازہ اُن کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے
بخوبی ہوتا ہے۔ عشق مجازی یا عورت سے عشق کو وہ عشق کی نہایت گھٹیا صورت سے تعبیر کرتے ہیں ؎

Scanned with CamScanner

ابتدا پیش بتاں افتادگی   انتہا از دلبراں آزادگی

اقبال کے نزدیک فرہاد کا شیریں کے عشق میں جوئے شیر بہانا " آنچہ مقام گفتگو ست " کیونکہ عشق میں تو سلسلہ ملائے کوہ ہی کو اٹھا دینے کی طاقت ہے۔ اقبال کے یہاں عشق خودی کی تکمیل کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے کیونکہ اس کی بدولت عمل کی بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے۔ اقبال ذات ایزدی سے محبت اور محبوب خدا رسول محترم ؐ کی ذاتِ اقدس سے عشق کو عشق کی ارفع ترین صورت قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک جو مسلمان عاشق رسولؐ نہیں وہ کافر و زندیق ہے۔ غزل کے دوسرے شعر کے حوالے سے اقبال کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مجھے نظیری کے مصرعے کا انکار کرنے کے عوض جمشید کی پوری سلطنت بھی دے دے تو بھی مجھے ہرگز قبول نہیں۔ نظیری کے مصرعے کا مفہوم اس طرح ہے کہ جس نے اپنی جان معشوق پر قربان نہ کی، وہ ہمارے قبیلے میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اقبال نے فارسی کے ممتاز شعراء حافظ، سعدی، بیدل، رومی اور خاقانی کے علاوہ نظیری کے کلام کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ زیر بحث غزل نظیری کی زمین میں لکھی گئی ہے۔ تیسرے شعر میں عقل اور عشق کا موازنہ کر کے عشق کی برتری واضح کر کے اس کی کامیابی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کہ اقبال عشق کے قائل ہیں لیکن عقل کی اہمیت سے بھی انہوں نے انکار نہیں کیا ہے۔ قرآن اور حدیث اقبال کی فکر کے سرچشمے ہیں اور ان میں انسان کو بار بار تفکر اور تدبّر سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ عقل چراغ راہ ضرور ہے لیکن اسے منزل نہیں سمجھنا چاہیئے اور منزل کو عقل سے نہیں بلکہ عشق کی مدد سے پایا جا سکتا ہے۔ عقل کا دارومدار قیاس آرائی پر ہے اور قیاس آرائی میں اکثر و بیشتر غلط فہمی کا احتمال رہتا ہے۔ بے شک عقل سخن دراز می کند لیکن طول طویل مباحث سے لذتِ نظر نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ دولت بے بہا تو عشق ہی سے مخصوص ہے ؎

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

تیسرے شعر کی رُو سے اگرچہ عقل نے اپنی عیّاری کے سبب عشق کو زیر کرنے یا اسے مغلوب کرنے کی خاطر

منکرین خدا یا عناصر شر کی ایک بہت بڑی جماعت تیار کر کے عشق کے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا ہے تو کوئی غم نہیں عشق بھی تنہا نہیں ہے۔ ایک بہت بڑی جماعت بھی اس کے ساتھ ہے جو کُل کائنات کی خالق ہے اور اگر تم اس خالق حقیقی سے اپنا ناطہ جوڑ کر اس کی اطاعت کر لو تو عشق کی کامیابی یقینی ہے۔ چوتھے شعر کی نسبت پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں۔ "رہ یا راہ اور مقام ایرانی موسیقی میں دو راگنیوں کے نام ہیں۔ نغمہ سے دلکش تعلیمات مراد ہیں اور بربطِ سلیمیٰ سے شریعت اسلامیہ مراد ہے۔ سلیمیٰ ایک عربی حسینہ کا نام ہے جیسے فارسی ادب میں عذرا اور ہندی ادب میں شکنتلا۔ مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب! تو حقیقت حال (راہ و مقام) سے آگاہ نہیں، ورنہ وہ کون سی خوبی ہے جو اسلامی تعلیمات میں موجود نہیں۔ راہ اور مقام چونکہ موسیقی کی اصطلاحیں ہیں اس لیے نغمہ اور بربط سے مناسبت کی بناء پر ان لفظوں میں ——— خوبی پیدا ہو گئی ہے۔ جسے صنعت ایہام سے تعبیر کرتے ہیں"۔ پانچویں شعر میں ایک مرتبہ پھر دل کی دُنیا میں استغراق پیدا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اقبال کے کلام میں معرفت نفس، معرفت ذات، عرفان نفس یا خودشناسی کی رہ رہ کر تلقین کی گئی ہے۔ ذاتِ حق حُسن کل ہے جو حُسن کا منبع یا سرچشمہ ہے اور اسی حسن کے سرچشمے کے جلوؤں کا ہم پوری کائنات میں مُشاہدہ کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک میں اپنے دل کی دُنیا میں اپنی ذات کے مشاہدے میں اس قدر مستغرق ہوں کہ مجھے اس دُنیا سے باہر نکل کر اس آب و گل کی دُنیا کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہیں۔ چھٹے شعر میں بتایا گیا ہے کہ طالبان حق یا خدا کے سچّے عاشق جنگلوں میں مارے مارے نہیں پھرا کرتے۔ اس شعر میں اُن راہبوں کے طریقہ کار پر سخت تنقید کی گئی ہے جو خدا تک رسائی پانے کے لیے اِس مادّی دنیا کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں جب کہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ترک دُنیا کرنا نہیں بلکہ اِس کائنات کو مسخّر کرنا ہے اور اسے مسخّر کر کے خدا کی رضا اور خوشنودی کے لیے ترک کرنا ہے تاکہ دنیا میں حق کا بول بالا ہو۔ ساتویں شعر میں نفسِ امّارہ اور اس کی تحریکات پر قابو پانے کی تلقین کی گئی ہے۔ نفس انسانی سرکش ہے اور یہ ہر وقت بُرائی کا حکم دے کر اسے حق و خیر کے راستے میں مزاحم رہتا ہے۔ سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو پائے کیونکہ جو شخص نفس امّارہ یا نفسانی خواہشات کا غلام ہو جاتا

ہے وہ ان خواہشات کو اپنا معبود بنا لیتا ہے ۔ ایک انسان جب ہی خدا اور رسولؐ کا فرمانبردار ہوسکتا ہے جب وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھے ۔ کام، کرودھ، موہ، لوبھ اور اہنکار، انسان کے ازلی دشمن ہیں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ رسولؐ سے اس طرح مخاطب ہے ۔ اے رسولؐ ! کیا آپ نے اس شخص کے انجام پر غور کیا جس نے مجھے چھوڑ کر یا میرے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ۔ کیا آپؐ ایسے بدبخت انسان کی حمایت کرسکتے ہیں" اس لیے اقبال نے ضبط نفس کو خودی کے استحکام کی دوسری شرط قرار دیا ہے آٹھویں شعر میں انسان کی ہمت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہتے ہیں کہ خودی اسی وقت پختہ ہوسکتی ہے جب انسان مشکلات سے برسرِ پیکار ہو کر ان سے نبرد آزما ہو ۔ اس لیے میں اس شخص کا مرید ہوں جو اپنے لیے پُر خطر راستے کا انتخاب کرکے عزم و استقلال کا ثبوت دے اور جس کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ آئے اقبال نے کئی مقامات پر انسان کو خطر پسندی یا خطر طلبی کی تلقین کی ہے ؎

؎ اگر خواہی حیات اندر خطر زی

؎ بہ کیش زندہ دلاں زندگی جفا طلبی است

؎ سفر بہ کعبہ نہ کردم کہ راہ پُر خطر است

نویں شعر میں شریک حلقۂ رندان بادہ پیما باش کہہ کر سالک کو ایک ایسے پیر کی صحبت سے حذر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو مرد غوغانہ ہو اور جو سالک کے اندر انقلاب بپا نہ کرسکے ۔ دسویں اور آخری شعر میں شاعری میں رمز و ایمائ کی اہمیت کا اعتراف کیا گیا ہے ۔ شاعر جب اپنے مافی الضمیر کا براہ راست اظہار کرتا ہے تو اس میں وہ تاثیر پیدا نہیں ہوتی جو رمز و ایمائ کے ذریعے کہی گئی بات میں ہوتی ہے ۔ شاعر جب رمز و ایماء میں بات کرتا ہے تو قاری اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے غور و فکر سے کام لینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس طرح بات اس کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے ۔ حدیث خلوتیاں سے ان عارفوں کی گفتگو مراد ہے جو خلوت میں بیٹھکر یاد الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور پھر رمز و ایماء کے ذریعے اپنی بات سننے والوں تک پہنچا دیتے ہیں ۔ عارفوں کی گفتگو صاف اور واضح نہیں ہوتی ۔

Scanned with CamScanner